© rasailojaraid.com

رزقِ حلال

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

(۲)

ظاہر ہے کہ دینِ حق کی خاطر جب کوئی مومن جدوجہد کرتا ہے تو نظامِ باطل کی طرف سے اس پر آزمائش آتی ہے۔ کبھی اُسے فراہم شدہ رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور کبھی اسے گھر بار سے ہی نکال دیا جاتا ہے۔ تاریخِ دعوتِ اسلامی میں مخالفینِ حق مزاحمتِ حق کے لیے بڑی سے بڑی کارروائیاں کرتے رہے ہیں تاکہ علمبردارانِ حق اپنے مقصد اور کام سے باز آ جائیں۔ ان مخالفانہ کارروائیوں میں انہیں وسائلِ رزق سے محروم کرنا، ان کے بال بچوں کو ان کی سرپرستی سے اور خود ان سے رزق کی سہولتیں چھین لینا خصوصاً شامل رہا ہے، کبھی کاروبار تباہ کر کے اور کبھی گھر بار چھڑوا کر۔ ایسی صورت میں ایک بندۂ مومن اس ذہنی مغالطے میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ اس کے رزق کا معاملہ خود اس سے نہیں بلکہ اس کے کنبہ اور خاندان سے بھی تعلق رکھتا ہے اور یوں بہت سی تاویلیں اس کا نفس حق کے کام سے پہلوتہی کی سوچنے لگتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ وہ کونسا جاندار ہے جو اپنا رزق اپنے کندھوں پر اُٹھائے پھرتا ہے اور اپنے زور اور اپنی قوت سے خود رزق حاصل کرتا ہے۔ یہ رزق تو اُس کا خدا ہی ہے جو اُسے دیتا ہے۔ اگر وہ کیڑوں، مکھیوں، مچھروں اور جھینگروں کا رازق ہے تو تم تو ان سے بہت زیادہ اس بات کے حق دار ہو کہ تمہیں رزق مہیا کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر تم اپنے مالک کی خاطر اس کی معروف رضا کے لیے باطل کے مقابل بلا خوف و خطر ڈٹ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ جو رب العالمین ہے وہ تمہیں ضرور پال لے گا۔ اور تم راہِ حق میں جدھر جاؤ گے اپنے رب کا دسترخوان ہر جگہ اپنے سامنے پھیلا ہوا پاؤ گے۔

اس بات کو حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں سے کہا تھا جب دعوتِ دین کے سلسلے میں ان پر تکالیف آئیں۔ اور بنی اسرائیل نے ان پر زندگی کی کشادگی تنگ کرنی شروع کر دی تو انہوں نے اپنے حواریوں سے فرمایا:

"کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے اور کیا پئیں گے اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے؟ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں ہے؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں، نہ کاٹتے ہیں، نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں پھر بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے جب خدا میدان کی گھاس کو، جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی، ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو! تم کو کیوں نہ پہنائے گا"

یہ حقیقت ہے کہ ہر معاشرے میں کھاتے پیتے لوگ ہی اصل فساد کی جڑ ہوتے ہیں اور رزقِ حرام کی بڑی مقدار ایسے ہی خوشحال لوگوں میں گردش پاتی ہے۔ رزقِ حلال کے لیے جو محنت اور احتیاط درکار ہوتی ہے نفس کے بندے وہ احتیاط کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے کہا ہے:

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں ایک خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تم لے کر آئے ہو اس کو ہم نہیں مانتے (سورہ سبا۔ آیت: ۳۴)

یہ بات انہوں نے اس لیے کہی کہ وہ مامور تھے اور اس لیے کہی کہ ان کا ذریعہ معاش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رزقِ حرام تھا۔ رزقِ حرام کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ حق کو تسلیم کرنے میں زبردست رکاوٹ بن جاتا ہے۔ رزقِ حرام کھا کر انسان خدا کا کام نہیں کر سکتا۔ پھر وہ جسم دوزخ میں جلنے کے قابل تو ہو جاتا ہے لیکن اللہ کی فوج کا سپاہی نہیں بن سکتا۔ اس کا یہ خیال ہوتا ہے کہ چونکہ ہمارے پاس زیادہ رزق ہے۔ زیادہ مال و دولت اور قوت و اقتدار ہے اس لیے ہم خود بخود زیادہ اللہ کے پیارے لوگ ہیں، تبھی تو اس نے ہمیں ان نعمتوں سے نوازا ہے۔ اگر اللہ ہم سے راضی نہ ہوتا تو یہ مال و دولت وحشمت اور یہ شان و شوکت ہمیں کیوں دیتا۔ قرآن نے ان دُنیا پرستوں کی جا بجا تردید کی ہے اور کہا ہے کہ دُنیا میں رزق کی تقسیم کا انتظام جس حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اس کو یہ لوگ نہیں سمجھتے اور اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ جسے اللہ کشادہ رزق دے رہا ہے وہ اس کا محبوب ہے اور جسے تنگی کے ساتھ دے رہا ہے وہ اس کے غضب میں مبتلا ہے۔ حالانکہ اگر کوئی شخص آنکھیں کھول کر دیکھے تو اُسے نظر آ سکتا ہے کہ بسا اوقات بڑے بڑے ناپاک اور گھناؤنے کردار کے لوگ بڑے خوشحال ہوتے ہیں اور بہت سے نیک اور شریف انسان جن کے کردار کی خوبی کا ہر شخص کو اعتراف ہوتا ہے، وہ تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اب کون آخر صاحبِ عقل آدمی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ اللہ کو یہ پاکیزہ اخلاق کے لوگ تو ناپسند ہیں اور وہ شریر اور خبیث لوگ ہی اسے بھلے لگتے ہیں۔

درحقیقت رزق کی کمی بیشی اللہ کی مشیت سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ اس کی رضا سے۔ مشیتِ الٰہی کے تحت ہر قسم کے انسانوں کو رزق مل رہا ہے۔ انکارِ خدا اور اقرارِ خدا کرنے والے سب رزق پا رہے ہیں۔ نہ رزق کی فراوانی اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی خدا کا پسندیدہ ہے اور نہ اس کی تنگی اس بات کی علامت ہے کہ آدمی اس کا معتوب ہے۔ مشیتِ الٰہی کے تحت ایک ظالم اور بے ایمان آدمی بھی پھلتا پھولتا ہے حالانکہ ظلم اور بے ایمانی خدا کو پسند نہیں ہے اور اس کے برعکس مشیت ہی کے تحت ایک سچا اور ایماندار آدمی نقصان اٹھاتا اور تکلیفیں سہتا ہے، حالانکہ یہ صفات خدا کو پسند ہیں۔ لہٰذا وہ شخص سخت گمراہ ہے جو مادی فوائد و منافع کو خیر و شر اور اچھائی بُرائی کا پیمانہ قرار دیتا ہے۔ اصل چیز خدا کی رضا ہے اور وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان اخلاقی اوصاف سے حاصل ہوتی ہے جو خدا کو محبوب ہیں جن میں رزقِ حلال کا حصول بھی ہے ۔ اگر کوئی شخص خدا کا باغی اور نافرمان بھی ہے اور ساتھ ہی خدا کی نعمتوں سے نوازا جا رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص سخت باز پرس اور بد ترین عذاب کے لیے تیار کیا جا رہا ہے ۔

بعض لوگ رزق کی مساوات کا تذکرہ کرتے ہیں اور مارکسی تصورِ اشتراکیت کو اسلامی رنگ دینے کے لیے اسے قرآنی نظامِ ربوبیت بنا کر پیش کرتے ہیں اور قرآن کے لفظ "سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ" کا ترجمہ سب مانگنے والوں کے لیے برابر کرتے ہیں اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اللہ نے زمین میں سب لوگوں کے لیے برابر خوراک رکھی ہے اور اس منشا کو پورا کرنے کے لیے وہ ایک ایسی ریاست کا نظام پیش کرتے ہیں ۔ جو سب کو غذا کا مساوی راشن دے ۔ کیونکہ انفرادی ملکیت کے نظام میں وہ مساوات قائم نہیں ہو سکتی ۔ لیکن یہ لوگ جوشِ اشتراکیت میں یہ بھول جاتے ہیں کہ قدرت کے دسترخوان کے سائلین صرف انسان ہی نہیں بلکہ مختلف اقسام کی وہ سب مخلوقات ہیں جنہیں زندہ رہنے کے لیے غذا کی ضرورت ہے ۔ کیا ان سب کے درمیان یا ایک ایک قسم کی مخلوقات کے تمام افراد کے درمیان خدا نے سامانِ پرورش میں مساوات رکھی ہے ۔ کیا خدا کے اس پورے نظامِ رزق میں کہیں کسی کو غذا کے مساوی راشن کی تقسیم کا انتظام نظر آتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ان سائلین میں وہ حیوانات بھی شامل ہیں ۔ جنہیں انسان پالتا ہے اور جن کی خوراک کا انتظام خود انسان کے ذمہ ہے ۔ بھیڑ، بکری، اونٹ، مرغی وغیرہ تو کیا ان سب سائلین کو برابر اور یکساں خوراک دی جائے گی ۔ کیا نظامِ ربوبیت والی ریاست انسان اور ان حیوانات کے درمیان بھی معاشی مساوات قائم کرے گی ۔

رزقِ حلال کو خرچ کرنے کے معاملے میں بھی اسلام نے مومنین کے لیے تین طرزِ عمل متعین کیے ہیں ۔ اوّل یہ کہ وہ خرچ کرتے ہیں اسی رزقِ حلال میں سے جو انہیں دیا گیا ہے ۔ وہ اپنے اخراجات کے لیے مالِ حرام پر ہاتھ نہیں مارتے ۔

دوسرے یہ کہ وہ خدا کے دیئے ہوئے رزق کو سمیٹ سمیٹ کر نہیں رکھتے بلکہ اسے خرچ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ جو رزق انہیں دیا گیا ہے اس میں سے راہِ خدا میں بھی خرچ کرتے ہیں، سب کچھ اپنی ذات پر ہی صرف نہیں کر دیتے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ۱۴ احکام ایسے دیے ہیں جن کے ذریعے مومن کے سامنے اس کی زندگی کا ہمہ پہلو چارٹ منفصل آجاتا ہے جس میں رزق اور دوسرے معاملات کے بارے میں متوازن ہدایات ہیں۔ ایسا ہی نظام رزقِ حلال کا ضامن بن سکتا ہے۔ وہ چودہ نکات یہ ہیں:

۱۔ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

۲۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اور ان سے اُف تک نہ کہو۔

۳۔ رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو۔

۴۔ فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

۵۔ حاجت مندوں کو مجبوری سے جواب ہی دینا پڑے تو نرم الفاظ میں جواب دو۔

۶۔ نہ اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لو (بخل کے لیے) اور نہ بالکل ہی کھلا چھوڑ دو (اسراف کے لیے) کہ عاجز ہی بن کر رہ جاؤ۔ اللہ اس کا رزق کشادہ کر دیتا ہے جس کا چاہتا ہے

۷۔ اپنی اولاد کو اندیشۂ افلاس سے قتل نہ کرو۔ ہم اُن کو بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی۔

۸۔ زنا کے قریب نہ پھٹکو، یہ بہت ہی بُرا راستہ ہے۔

۹۔ قتلِ نفس کے ارتکاب سے بچو۔

۱۰۔ مالِ یتیم کے پاس بھی نہ پھٹکو۔

۱۱۔ اپنے قول و قرار کی پابندی کرو، ہر عہد کی جوابدہی ہوگی۔

۱۲۔ پیمانوں سے پورا پورا ناپ تول کرو۔

۱۳۔ بغیر علم کسی چیز کے پیچھے نہ پڑو، آنکھ، کان، دل سب کی بازپرس ہوگی۔

۱۴۔ زمین میں اکڑ کر نہ چلو، تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِن اصولوں پر جو نظامِ زندگی قائم کیا جائے وہی رزقِ حلال کی ضمانت دے سکتا ہے۔ غرض رزقِ حلال کی اس بحث میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ رزقِ حلال کا بہت بڑا تعلق انسان کے اخلاص و ایمان سے بھی ہے، جو شخص سچے دل سے خدا پر ایمان رکھتا ہو اور اسی کو رزق کے خزانوں کا مالک سمجھتا ہو وہ کبھی اس کم ظرفی میں مبتلا نہیں ہو سکتا، جس میں خدا کو بھولے ہوئے لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسے کشادہ رزق ملے تو پھولے گا نہیں بلکہ شکر کرے گا۔ خلقِ خدا کے سامنے تواضع اور خوش خلقی اور فیاضی سے پیش آئے گا۔ اور خدا کا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرے گا۔ اگر تنگی کے ساتھ رزق ملے تب بھی وہ صبر سے کام لے گا اور دیانت و امانت کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دے گا اور آخر وقت تک خدا کے فضل و کرم کی آس لگائے رکھے گا۔ یہ اخلاقی بلندی نہ رزقِ حرام کھانے والے کسی دہریے کو نصیب ہو سکتی ہے اور نہ کسی مشرک کو۔

رزقِ حلال اور رزقِ حرام کے پس منظر میں ہم حضورِ اکرم کی اس حدیث پر غور فرمائیں تو زندگی کی راہیں روشن ہو جاتی ہیں۔ جب حضرت ابن معبدؓ نے حضور اکرم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا "اے معبد اپنے نفس سے پوچھ، اپنے دل سے پوچھ، نیکی وہ ہے جس سے دل کو اطمینان حاصل ہو، سکون حاصل ہو اور گناہ وہ ہے جو نفس میں خلش پیدا کرے"۔

امام احمد بن حنبل نے خوب فرمایا کہ سب سے بڑی نیکی رزقِ حلال کا حصول ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقبال اور نفاذِ شریعت

(جناب جسٹس جاوید اقبال کے بعض افکار پر ایک نظر)

جناب محمد امین صاحب

۲۲ را پریل ۱۹۸۶ء کے اخبارات میں یومِ اقبال کے موقع پر فرزندِ اقبال جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کی جو تقریر رپورٹ ہوئی ہے، اس کے مطابق انہوں نے کہا "عبادات اور معاملات قطعی طور پر دو الگ الگ چیزیں ہیں، حکیم الامت نے معاملات میں اجتہاد کی تلقین کی ہے عبادات میں نہیں" ــــ یہی بات انہوں نے ذرا وضاحت سے یکم اکتوبر ۱۹۸۶ء کو ایک تقریب میں اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہی تھی جب انہوں نے فرمایا "عبادات اور معاملات میں نمایاں فرق ہے۔ اور ان قرآنی احکام میں تبدیلی کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے، جن کا تعلق زیادہ تر عبادات سے ہو۔ تاہم جن احکام کا تعلق معاملات سے ہو، ان میں وقت کی ضرورت کے مطابق نئی تعبیریں کی جا سکتی ہیں" ــــ اسی طرح ۲۷ دسمبر ۱۹۸۶ء کے اخبارات میں جناب صدر ضیاء الحق کا وہ بیان بھی اخبارات میں چھپا ہے جس میں انہوں نے سپریم کورٹ کے جسٹس جاوید اقبال کے اس موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ "ہاتھ کاٹنے اور سنگسار کرنے کی سزا جابرانہ ہے لہٰذا اس قسم کے قوانین ختم کر دیئے جائیں" یہ یقین دلایا ہے کہ قرآنی سزاؤں کو ختم نہیں کیا جائے گا۔ ازیں پیشتر ہمیں وہ بیان بھی دیکھنے کا موقع ملا تھا جس میں سرگودھا بار سے خطاب کرتے ہوئے جناب جاوید اقبال نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اجتہاد کے لیے عربی زبان جاننے کی شرط ختم ہونی چاہیے اور وکلاء کو حقِ اجتہاد ملنا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر یہ آرا کسی کمیونسٹ دانشور، سیکولر سوچ رکھنے والے کسی بیوروکریٹ یا کسی سوشلسٹ سیاسی لیڈر کی ہوتیں تو ہم خاموش رہتے، لیکن چونکہ یہ آرا حکیم الاُمت اور مفکرِ اسلام و پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ کے فرزندِ ارجمند حضرتِ جاوید اقبال کی ہیں، جو اقبالؒ کے مادّی ہی نہیں ان کی معنوی فکر کے وارث بھی ہیں، جو پاکستان کی سب سے بڑی عدالت کے جج ہی نہیں، پی ایچ ڈی بھی ہیں۔ اور غالباً ان کی نسبت کی رفعت اور منصب کی بلندی ہی کا اثر ہے کہ لوگ اُن کی آرا جاننے کے باوجود احتراماً خاموش رہے ہیں۔ ورنہ کوئی اور آدمی ہوتا تو اس کا وہی حشر ہو سکتا تھا جو ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا ہوا۔

خود ہمیں بھی جناب جاوید اقبال کی تکریم ہر لحاظ سے اور ہر درجہ میں محبوب ہے لیکن اگر احساس یہ ہو کہ ان کا موقف شریعتِ مطہرہ کے موقف سے ٹکرا رہا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ خدا و رسولؐ کی عزت ساری عزتوں سے اور ان کی محبت ساری محبتوں سے بڑھ کر ہمیں بھی عزیز ہے اور ہر مسلمان کو بھی عزیز ہونی چاہیے، چنانچہ قصہ درد سُناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم۔ اور جناب جاوید اقبال سے پیشگی معذرت کہ مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات۔

فقہ اسلامی کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناطے سے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ فقہ اسلامی سے متعلق جناب جاوید اقبال کی مذکورہ آرا میں کوئی وزن نہیں۔ ان کے دلائل اتنے کمزور ہیں کہ ان پر بحث کرنے میں کوئی لطف نہیں، وہ اتنے پُرانے ہیں کہ ان کا جواب دینے میں کوئی جدت نہیں، تاہم چونکہ یہ ایک ایسے شخص کی طرف سے پیش کیے گئے ہیں جس کا اسلامی، علمی اور قانونی حلقوں میں ایک مقام ہے لہٰذا یہ چند سطور حاضرِ خدمت ہیں۔

فکرِ اقبال کے حوالے سے جناب جسٹس جاوید اقبال کا موقف یہ ہے کہ عبادات کے علاوہ قرآن کے وہ احکام جو معاملات سے متعلق ہیں سب قابلِ تغیر ہیں اور ان میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جناب کے اس موقف کی سند اور ماخذ کیا ہے؟ جس آدمی نے بھی اسلامی شریعت اور فقہ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ معاملات میں خدا اور رسولؐ کے احکام دو طرح کے ہیں ایک وہ جن کی تفصیلات قرآن و سنّت میں آگئی ہیں اور یہ عام طور پر ایسے احکام ہیں، جو سوسائٹی کا ڈھانچہ برقرار رکھنے کے لیے انتہائی ضروری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ مثلاً حفظِ نسل (زنا)، حفظِ مال و امن (چوری، ڈکیتی)، حفظِ عقل (شراب نوشی وغیرہ) اور حفظِ عزت و ناموس (قذف)، وغیرہ۔ ان کے بغیر انسانی معاشرہ صالح بنیادوں پر کھڑا ہو ہی نہیں سکتا، یا پھر معاملات کے وہ پہلو جن کی تفصیلات کا صحیح صحیح تعین کرنا انسانی بس میں نہیں مثلاً نکاح و طلاق اور وراثت کے امور۔ اس کے علاوہ معاملات میں شارع کا عمومی اسلوب یہی ہے کہ وہ بنیادی اصول و قواعد بیان کر دینے پر اکتفا کرتا ہے اور یہ بات مسلمانوں کے اصحابِ اجتہاد پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ ہر معاشرے میں اپنے ماحول کی ضروریات کے مطابق اس کی تفصیلات شریعت کے بنیادی احکام اور اس کے مقاصد و مزاج کی روشنی میں طے کر لیں۔

اسی طرح شریعت کا ہر سنجیدہ طالب علم یہ بھی جانتا ہے کہ اجتہاد کا دائرۂ کار کیا ہے؟ اجتہاد کا دائرۂ کار یہ ہے ہی نہیں کہ وہ قرآن و سنت میں بیان کردہ احکام کو تبدیل کرے۔ منصوص احکام میں اجتہاد کی گنجائش صرف اتنی ہے کہ اگر نص کے الفاظ ایک سے زیادہ معنی و مفہوم کے محتمل ہوں تو ان میں سے راجح تر کا تعین کیا جائے یا ان احکام کی تطبیق کے لیے جن تفصیلی احکام اور پروسیجرل ضوابط کی ضرورت ہو تو ان کو بنا لیا جائے، ورنہ کوئی مسلمان یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ وہ خدا و رسولؐ کے احکام کو بدل سکتا ہے۔ غیر منصوص احکام میں اجتہاد کی گنجائش یہ ہے کہ قرآن و سنت کی نصوص پر قیاس کرتے ہوئے اور مقاصدِ شریعت کی روشنی میں، نیز مسلمانوں کے مفاد و مصالح کی خاطر اور استنباط و استخراج کے ان طریقوں پر عمل کرتے ہوئے جن کی اجازت قرآن و سنت سے ملتی نظر آتی ہے، اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔

ہم آنجناب کی توجہ دو ایسے قانونی قاعدوں کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتے ہیں جو اسلامی اصولِ فقہ ہی کے نہیں موجودہ اصولِ قوانین کے نزدیک بھی معتبر بلکہ متداول ہیں۔ ان میں سے پہلا قاعدہ تو یہ ہے کہ کسی اتھارٹی کے وضع کردہ قانون کو صرف وہی اتھارٹی خود یا اس سے بالاتر اتھارٹی ہی ختم کرسکتی ہے۔ جیسے پاکستان میں پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے کسی قانون کو کوئی صوبائی اسمبلی ختم نہیں کرسکتی، یا سپریم کورٹ کے کسی فیصلے کو کوئی سیشن عدالت ختم نہیں کرسکتی۔ اسی طرح قرآن کے کسی فیصلے کو قرآن ہی منسوخ کرسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فیصلے کو خود تو بدل سکتے ہیں لیکن کسی امتی کا یہ مقام نہیں ہے کہ وہ ان کو بدل سکے۔ بدلنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو ایک طرف رہا، قرآن تو یہ کہتا ہے کہ اگر تم ان کے فیصلے کو تہہ دل سے برضا و رغبت تسلیم نہیں کرو گے تو تم سرے سے مومن ہی نہیں ہو۔ (النساء - ۶۵)

دوسری بات یہ کہ جسٹس صاحب غالباً جس چیز پر زور دینا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ قانون کو جامد نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس میں اتنی لچک ہونی چاہیے کہ وہ بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے سکے۔ ان کی یہ خواہش بالکل بجا ہے لیکن سمجھنے کی بات صرف اتنی ہے کہ اسلام کے نظامِ قانون میں یہ خوبی موجود ہے یا نہیں! جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا کہ معاملات کی حد تک اسلام میں ناقابلِ تغیر قانونی احکام صرف وہ ہیں جو سوسائٹی کا ڈھانچہ برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ یا پھر ان تفصیلات تک محدود ہیں جن کا تعین کرنا عقلِ انسانی کے بس میں نہیں، جیسے شخصی قوانین وغیرہ۔ ورنہ زندگی کے دیگر سارے معاملات میں اجتہاد کی بہت زیادہ گنجائش ہے۔ اور یہ شارع نے عمداً اسی حکمت کے پیشِ نظر چھوڑی ہے کہ مسلمانوں کو تنگی محسوس نہ ہو اور وہ بدلے ہوئے حالات میں اجتہاد کر سکیں یا پہلے کے بنائے ہوئے اجتہادی قوانین میں تبدیلی کر سکیں۔ قرآن و سنت کی نصوص میں اجتہاد کی گنجائش ان کی تطبیق اور تعبیر میں ہے، ان کے تغیر و تبدل میں نہیں۔ حضرت عمرؓ کی مثالیں بعض لوگ اس غلط فہمی میں دیتے ہیں کہ گویا حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانے میں قطعِ ید کی سزا ختم کر دی تھی یا مؤلفۃ القلوب کی مد ختم کر دی تھی۔ حالانکہ یہ بالکل ہی غلط ہے، اگر ان واقعات کی غیر جانب دارانہ علمی تحقیق کی جائے (جو بہت سے لوگوں نے پہلے کی ہے)، تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے قرآنی احکام کو تبدیل نہیں کیا، بلکہ خود قرآن و سنت میں ان احکام کے الفاظ و معانی میں اس مفہوم کی گنجائش موجود تھی جس کو انہوں نے اختیار کیا تھا ___ اس کے باوجود اگر جسٹس صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ قانون کے اندر کوئی مستقل بالذات قدر ہونی ہی نہیں چاہیے۔ اور قانون سارے کا سارا ہمیشہ ہی قابلِ تغیر ہونا چاہیے تو ہم ان کی توجہ ان مغربی اقوام کی طرف مبذول کرانا چاہیں گے، جہاں اس طرح کہ مستقل اقدار نہیں ہیں اور قانون وہاں بازیچۂ اطفال بنا ہوا ہے، خود امریکہ جیسے ممالک میں پہلے شراب کی اجازت تھی۔ پھر پابندی لگائی گئی، پھر یہ پابندی ہٹا دی گئی، لواطت اکثر مغربی ممالک میں غیر قانونی ہے جب کہ بعض ملک اسے قانونی قرار دے چکے ہیں، بعض ملکوں

© rasailojaraid.com